بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عیسائیت
سے
اسلام تک

تالیف

شیخ الحدیث والتفسیر

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

رحمۃ للعلمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

0303-4367413

انتساب

فقیر اپنی اس کاوش کو اللہ کے پاک پیغمبر حضرت سیدنا
مسیح علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں پیش کرتا ہے۔
اگر قبول فرمائیں تو شفقت اور عزت افزائی ہے

غلام رسول قاسمی

فہرستِ مضامین

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

1۔عیسائیت اور اسلام کا موازنہ

عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی طرف منسوب ایک مذہب کا نام ہے۔ عیسائیت، مسیحیت اور Christianity تمام الفاظ سے اس مذہب کی محدودیت ظاہر ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو یہ ہدایات جاری فرمائیں کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب۱۰ آیت۵۔۶)۔

انجیل کے اس بیان سے صاف معلوم ہوگیا کہ مسیحی تبلیغ کا دائرہ صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے اور انجیل کسی دوسری قوم تک مسیحیت کی دعوت پہنچانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی بات قرآن بھی کہتا ہے کہ وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یَا بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ یعنی جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں صرف تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں (الصّف:۶)۔

اس کے برعکس اسلام کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے۔اسلام کا معنی ہے تسلیم کرنا۔یعنی جو بھی تسلیم کرلے وہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو اللہ کریم نے صاف حکم دیا ہے کہ: قُلۡ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعاً (اعراف:۱۵۸) یعنی اے محبوب فرمادو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

گویا عیسائی مذہب ایک شخصیت کی طرف منسوب ہے اور ایک خاص قوم تک محدود ہے۔جب کہ اسلام کسی شخصیت کی طرف منسوب نہیں اور اس کی دعوت کا دائرہ وسیع ہے۔

2۔موجودہ بائیبل

بائیبل کے لفظی معنی ہیں ’’کتاب‘‘۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔تورات، زبور اور

انجیل کے مجموعے کو بائبل کہتے ہیں۔ انکے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں اورخطوط اس میں شامل ہیں۔تورات کے معنی ہیں شریعت یا قانون۔ اسکی پانچ کتابیں ہیں۔ پیدائش، خروج، اخبار، گنتی اور استثناء۔ زبور کے معنی ہیں، دعائیہ نغمے۔ اس میں ایک سو پچاس نغمے ہیں۔ انجیل کے معنی ہیں بشارت یا خوشخبری۔ انجیلیں چار ہیں۔ متی کی انجیل، لوقا کی انجیل، مرقس کی انجیل اور یوحنا کی انجیل۔ تورات اور زبور کو پرانا عہد نامہ یا عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ عتیق Old Testament کہتے ہیں۔ یہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔ (سوائے حکمت اور مکابیوں کی دوسری کتاب کے جن کی زبان یونانی تھی اور عزرا، دانیال اور ارمیاہ کے چند حصوں کی زبان ارامی تھی) اور انجیلوں وغیرہ کو، نیا عہد نامہ یا عہد نامہ جدید اور انگریزی میں New Testament کہتے ہیں۔ یہ یونانی زبان میں لکھا گیا تھا۔

وحی کا طریقہ

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے شاگردوں نے اپنے انبیاء کے حالاتِ زندگی نہایت دیانت داری کے ساتھ مرتب کیے اور یہی حالاتِ زندگی آسمانی کتابیں کہلائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ معیار ہی نہایت ناقص اور تشویشناک ہے۔ یہیں سے تحریف اور ترمیم کا دروازہ کھلا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر خود بذریعہ وحی اپنا کلام اتارا ہے۔ مثلاً انجیل میں ہے کہ: اب میری جان گھبراتی ہے اور میں کیا کہوں؟ یہ کہ اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا؟ لیکن میں اسی سبب سے اس گھڑی تک پہنچا ہوں۔ اے باپ اپنے نام کو جلال دے۔ تب آسمان سے آواز آئی کہ میں نے جلال دیا ہے اور پھر جلال دوں گا۔ پس جو ہجوم کھڑا سن رہا تھا وہ کہنے لگا کہ بادل گرجا۔ مگر اور کہتے تھے کہ کوئی فرشتہ اس سے بولا ہے (یوحنا ۱۲: ۲۷ تا ۲۹)۔

ان آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے وحی کا اترنا بالکل واضح ہے۔ تورات، زبور اور انجیل اسی طریقے سے نازل ہوئی تھیں۔ یہی اصل کتابیں تھیں جو آج نایاب ہیں۔ اور عیسائیوں نے وحی کی مذکورہ بالا تعریف محض اپنی کارستانیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کی ہے۔

اس کے برعکس موجودہ تورات اور انجیل محض سیرت کی کتابیں ہیں۔ جنہیں انبیاء علیہم السلام کے شاگردوں نے بعد میں مرتب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک کی مکمل تفصیل موجود ہے (ملاحظہ ہو استثناء باب ۳۴)۔ اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پھانسی پر چڑھنا، وفات پانا پھر دوبارہ جی اٹھنا اور آسمان پر اٹھایا جانا تفصیل سے درج ہے (ملاحظہ ہو یوحنا کی انجیل باب ۱۹۔۲۰)۔

اب ظاہر ہے کہ کسی نبی پر نازل ہونے والی کتاب میں اسی نبی کی وفات اور پھانسی کے ذکر کا کوئی تک نہیں بنتا۔ یقیناً یہ سب باتیں بعد میں لکھی گئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ موجودہ بائیبل اس قابل نہیں کہ اس کا موازنہ قرآن کے ساتھ کیا جائے۔ ہمارے پاس بائیبل کا صحیح مدِّ مقابل سیرت اور احادیث کی کتب ہیں۔ جبکہ قرآن کا معیار ان کتابوں سے بہت بلند ہے۔

اصل انجیل جو آج مفقود ہے

انجیل مرقس میں ہے کہ یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں باپ یا بال بچوں یا کھیتوں کو میرے لیے اور انجیل کے لیے چھوڑ دیا ہو (مرقس کی انجیل باب ۱۰ آیت ۲۹)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصل انجیل حضرت یسوع (عیسیٰ) علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھی۔ جبکہ موجودہ انجیل جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب تک کا واقعہ درج ہے، یہ بہت بعد میں سوانح حیات کے طور پر ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ: ''اپنا چال چلن مسیح کی انجیل کے موافق رکھو'' (فلپیون باب ۱ آیت ۲۷)۔

اس آیت میں متی، لوقا، مرقس اور یوحنا کی انجیل کی بات نہیں ہو رہی بلکہ مسیح کی انجیل کی بات ہو رہی ہے اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مسیح کی انجیل سے مراد محض نجات یا مسیح کی رسالت کا پیغام نہیں ہے بلکہ یہ کوئی ایسی تحریری چیز تھی جس کی روشنی میں اپنا چال چلن اور سیرت و کردار درست کیا جا سکتا تھا۔

تحریف اور اس کے اسباب

بنیادی طور پر تورات عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی اور انجیل یونانی زبان میں لکھی گئی تھی (یہ عیسائیوں کا اپنا قول ہے ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی زبان سریانی تھی)۔

ان میں تحریف کا ایک سبب تو یہ ہوا کہ ان کتابوں کے ترجمے اور ترجموں کے ترجمے کر کر کے ان کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔ ترجمے کے ساتھ اصل زبان کے اپنے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ اور آج بھی ہر بائیبل اس بات پر گواہ ہے کہ ترجمے کے ساتھ اصل عبرانی یا یونانی زبان لکھی ہوئی نہیں ملتی (جبکہ قرآن کے ہر ترجمے کے ساتھ اصل عربی عبارت موجود ہوتی ہے تاکہ جس کا جی چاہے اصل اور ترجمے کا موازنہ کر لے)۔

بائیبل میں تحریف کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ ترجمہ کرنے والوں نے اسمِ علم (Proper Noun) اور شہروں کے نام تک کے ترجمے کر ڈالے۔ مثلاً احمد کا ترجمہ فارقلیط کر دیا گیا۔ (عام کتابوں میں آج بھی فارقلیط، وکیل، مددگار اور شفیع کے الفاظ ملتے ہیں ملاحظہ ہو: (یوحنا کی انجیل باب ۱۴ آیت ۱۶ اور باب ۱۵ آیت ۲۶ اور باب ۱۶ آیت ۷)۔

تیسرا سبب یہ ہوا کہ کتابت میں غلطیاں واقع ہوئیں مثلاً شیلوہ اصل میں شیلوخ تھا۔ اس کا معنی ہے بھیجا ہوا (پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰)۔ اس قسم کی تحریف کا اعتراف پادری برکت اللہ نے اپنی کتاب صحتِ کتبِ مقدسہ کے صفحہ ۴۹۔۵۱ پر کیا ہے اور خود ہی بائیبل میں اس قسم کی تحریف کی بہت سی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہوا کہ عبرانی کے مزعومہ اصل نسخے ہی پرانے ہونے کی وجہ سے واضح نہ تھے۔ چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سو ممالک میں کام کرنے والی ''یونائیٹڈ بائیبل سوسائٹی'' کی منصوبہ بندی کے تحت بے شمار پادریوں کی مل کر لکھی ہوئی انگریزی بائیبل (Good News Bible) کے حاشیہ پر بار بار لکھا ہے کہ اصل عبرانی نسخہ واضح نہیں (Hebrew Unclear)۔ پادری برکت اللہ نے بھی صحتِ کتبِ مقدسہ صفحہ ۴۷ پر تورات میں اس سبب سے پیدا ہونے والے چھ ہزار اختلافات تسلیم کیے ہیں۔

پانچواں سبب یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے نیک نیتی کے ساتھ اپنا دین پھیلانے اور ثواب کمانے کی خاطر جھوٹ بولا اور تحریف کر دی۔ چنانچہ پولوس رسول نے یہی حرکت کی اور پوری مسیحیت کا حلیہ بگاڑ ڈالا۔ جب برنباس جیسے حق پرستوں نے اس کی مخالفت کی تو اس نے یہ عذر پیش کر دیا کہ

''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی ہے تو پھر مجھ پر کیوں گناہگار کی طرح فتویٰ دیا جاتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی نکلے'' (رومیوں باب ۳ آیت ۷،۸)۔

عیسائیوں کا عدمِ تحریف پر استدلال

عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی تائید میں قرآن شریف کی آیت **لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ** (یعنی اللہ کے کلمات بدل نہیں سکتے) سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیتِ قرآنی میں کلمات اللہ سے مراد اللہ کا فیصلہ ہے۔ یہ سورۃ یونس کی آیت ۶۴ ہے۔ اس سے پہلے اولیاء اللہ کا ذکر ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔ اس کے بعد فرمایا **لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ** یعنی اللہ کے یہ الفاظ ٹل نہیں سکتے۔

گویا اس آیت کا مطلق کلام کی تحریف سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس اسرائیلی تحریف کے متعلق قرآن میں صریح الفاظ موجود ہیں۔ **یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ** یعنی یہ لوگ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دیتے ہیں (النسآء:۴۶)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **یَسۡمَعُوۡنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ** یعنی یہ لوگ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر اس میں تحریف کر دیتے ہیں (البقرہ:۷۵)۔

خود بائیبل میں تحریف کا کھلا بیان موجود ہے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے یہود پر یہی الزام دیا تھا کہ: ''تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کا کلام بگاڑ ڈالا''۔ (ارمیا باب ۲۳ آیت ۳۶) اس کا ترجمہ عربی بائیبل میں اس طرح ہے **اِذْ قَدْ حَرَّفْتُمْ** ۔ کہ یقیناً تم نے

تحریف کر دی ہے۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے بار بار بائیبل کی تصدیق کی ہے (مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَکُمْ) معلوم ہوا کہ اصل تورات وانجیل نزول قرآن کے زمانہ میں محفوظ تھیں۔

جواب۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس تصدیق کا پس منظر اس طرح ہے کہ اللہ کریم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے جمع فرمایا اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ: لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ یعنی جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول آئے جو تمہارے پاس والی (کتاب وحکمت) کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اسکی مدد کرنا (آل عمران:۸۱)۔

اس آیت میں ہر نبی کو ملنے والی اصل کتاب کو مَا مَعَکُمْ (جو کچھ تمہارے پاس ہے) کہا گیا ہے۔ اب قرآن میں جہاں جہاں مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَکُمْ کے الفاظ آئے ہیں وہاں انبیاء علیہم السلام سے لیے گئے اسی میثاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اصل نازل شدہ کتابیں مراد لی گئی ہیں۔ انکے اندر بعد میں واقع ہونے والی تحریف کی بحث ایک الگ بحث ہے۔

ثانیاً تصدیق کا الٹ تکذیب ہے اور بائیبل میں چونکہ بعض باتیں آج بھی درست موجود ہیں لہٰذا اس کی بے دھڑک تکذیب بھی احتیاط کے منافی ہے۔ اصل نزول کے لحاظ سے حقائق پر مبنی ہونے کے علاوہ بائیبل کا ایک معقول حصہ آج بھی حقائق پر مبنی ہونے کی وجہ سے بائیبل تکذیب کی بجائے تصدیق ہی کی حقدار تھی۔ اس حد تک ہم آج بھی بائیبل کی تصدیق کرتے ہیں۔ البتہ بائیبل کا منسوخ ہو جانا ایک الگ بات ہے۔

ثالثاً قرآن اگر بائیبل کا مصدق ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا مُھَیْمِنْ (یعنی نگہبان) بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُھَیْمِناً عَلَیْہِ یعنی اے نبی! ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ونگران ہے (المائدہ :۴۸)۔ مھیمن کے معنی ہیں نگہبان (checker or guard)۔ اب پوری صورتِ حال

واضح ہوگئی کہ قرآن اصل نازل شدہ بائبل کی تصدیق کرتا ہے جب کہ بائبل میں کی جانے والی موجودہ تحریف پر نگہبان و نگران بن کر نظر رکھتا ہے۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے جن اہلِ کتاب پر تحریف کا الزام لگایا ہے ان سے مراد یہودی ہیں۔اور تحریف سے مراد تحریفِ معنوی ہے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)۔

جواب۔ مکمل صورتِ حال اس طرح ہے کہ قرآن نے اہلِ کتاب کی پانچ طرح کی تحریفات بیان کی ہیں۔

ا۔ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں (البقرہ:۴۲)۔

ب۔ حق کو چھپاتے ہیں (البقرہ:۴۲)۔

ج۔ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (البقرہ:۷۹)۔

د۔ تحریف معنوی کرتے ہیں (النسآء:۴۹)۔

ھ۔ اپنی اصل کتاب کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں (المائدہ:۱۳،۱۴)۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن نے ان پانچ قسم کی تحریفات میں عیسائیوں کو صرف پانچویں قسم کی تحریف کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے: وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ یعنی ”جو لوگ خود کو نصاریٰ یعنی عیسائی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی وعدہ لیا تھا، مگر انہوں نے بھی کتاب کا بڑا حصہ فراموش کر دیا“ (المائدہ:۱۴)۔ گویا عیسائیوں کا جرم بھی کوئی معمولی جرم نہیں۔ جب کہ یہود کو پانچوں جرائم میں ملوث قرار دیا ہے۔لیکن بڑی اہم بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی دیگر تحریفات کو بیان نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان جرائم میں سرے سے ملوث ہی نہیں۔ عدمِ بیان عدمِ وقوع کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ہاں اگر قرآن یہ کہہ دیتا کہ عیسائیوں نے سرے سے کوئی تحریف ہی نہیں کی تو پھر بلاشبہ آپ کی جان چھوٹ جاتی۔ دوسری طرف انجیل کی جوٹوٹی پھوٹی تاریخ دستیاب ہے، وہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے۔ بائبل کے محرف ہونے کے ٹھوس ثبوت پچھلے صفحات میں دیے بھی جا چکے ہیں۔

یہاں تک قرآن کی صریح عبارات کی بات تھی۔ایک بات آپ خود بتا دیجیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا، تثلیث کو ماننا اور مسیح کی پوجا کرنا۔یہ سب باتیں نزولِ قرآن کے وقت بائبل میں موجود تھیں کہ نہیں؟اگر آپ کہیں کہ یہ باتیں اس وقت بائبل میں موجود نہیں تھیں، تو ماننا پڑے گا کہ یہ باتیں قرآن کے نازل ہونے کے بعد بائبل میں شامل کی گئی ہیں۔اور اگر آپ کہیں کہ یہ باتیں اُس وقت بائبل میں موجود تھیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قرآن تو ان کی تردید کر رہا ہے اور ان عقائد کو کفر یہ قرار دے رہا ہے۔اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی ''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین خداؤں میں سے ایک ہے''(المائدہ:۷۳)۔دوسری جگہ فرماتا ہے: وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یعنی ''عیسائیوں نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے، یہ عیسائیوں کی لغو باتیں ہیں''(توبہ:۳۰)۔تیسری جگہ فرماتا ہے: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح علیہ السلام سے پوچھے گا کہ ''اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟''(المائدہ:۱۱۶)۔

قرآن کا ان تمام عیسائی عقائد کی تردید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن عیسائیوں کو بھی تحریف کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ورنہ ان آیات کا اقتضاء پورا نہ ہوگا۔

ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مسیحی تعلیمات کو بگاڑنے کے بنیادی مجرم بھی یہودی ہی ہیں۔پولوس ایک یہودی تھا جس نے عیسائیت کا روپ اختیار کر کے عیسائیوں کو گمراہ کیا۔اس بات پر پولوس کے خطوط آج بھی گواہ ہیں۔لہٰذا اگر بالفرض تحریف کا ذمہ دار صرف یہودیوں کو ہی مان لیا جائے تو پھر بھی انجیل تحریف سے پاک نہیں کہلا سکتی۔

تحریف کا زندہ ثبوت

دور کیوں جاتے ہیں۔بائبل میں تحریف کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ آج بھی بازار میں ملنے والی رومن کیتھولک بائبل اور پروٹیسٹنٹ بائبل میں واضح فرق ہے۔نیز کیتھولک بائبل میں:

گنتی باب ۲۸۔۲۹ کی صریح ضد حزقیال باب ۴۵۔۴۶ میں ہے۔استثناء باب ۲ کی صریح ضد یوشع باب ۱۳ میں ہے۔ پیدائش باب ۴۶ کی صریح ضد اخبار اول باب ۷۔۸ میں ہے۔متی کے پہلے باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جو نسب نامہ درج ہے،لوقا کے تیسرے باب میں اس کی صریح ضد موجود ہے۔یقیناً ان تمام اضداد میں سے ایک ضد صحیح اور دوسری غلط ہوگی اور ہمارے خیال میں عین ممکن ہے کہ دونوں بے بنیاد ہوں۔

چاروں انجیلوں کی حالتِ زار یہ ہے کہ ان میں سے تین کتابوں (متی،مرقس،اور لوقا) کی باتیں آپس میں کسی حد تک ملتی جلتی ہیں۔اس لیے انہیں اناجیلِ موافق کہا جاتا ہے جبکہ یوحنا کی انجیل باقی اناجیل سے بہت مختلف ہے۔اسی لیے اسے اناجیل موافق میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔یہ اناجیلِ موافق پادری حضرات کے متفقہ پینل کے بقول سن باسٹھ کے قریب لکھی گئیں اور یوحنا کی انجیل کہیں ایک سو سال بعد جا کر لکھی گئی۔مقدس مرقس کے بارے میں پادری صاحبان فرماتے ہیں کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا تک نہیں۔بلکہ یہ مقدس پطرس کا شاگرد تھا۔مگر اس نے بھی انجیل شریف لکھ ڈالی۔اور اسے کلیسا نے الہامی تسلیم کر لیا۔اسکے علاوہ بے شمار اناجیل اور بھی تھیں جنہیں کلیسا کے پادریوں نے الہامی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔جنہیں الہامی تسلیم کر لیا گیا وہ کتابیں چار ہیں۔یہ سب باتیں کلام مقدس کے عہدِ جدید کے دیباچہ میں خود پادری صاحبان نے متفقہ طور لکھی ہیں۔ہم نے انکا خلاصہ تحریر کر دیا ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ یوحنا کی انجیل خود یوحنا نے نہیں لکھی۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف کتاب کے آخر میں یوحنا کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہی وہ شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے یہ لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے(یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۴)۔اس آیت میں ''ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے'' کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یوحنا کوئی اور تھا اور مصنف کوئی اور ہے۔بائیبل کے برعکس قرآن کو حفظ اور تحریر کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔پرانے قصے چھیڑنے کی مجبوری ہی کیا ہے۔آج بھی ایک بائیبل اور ایک قرآن اٹھا کر ان کا موازنہ کر لیجیے۔بائیبل بتائے گی کہ وہ صرف ترجمہ ہے جب کہ قرآن بتائے گا

کہ وہ اصل بھی ہے اور اس کے ساتھ ترجمہ بھی ہے۔ بائبل بتائے گی کہ میرا کوئی حافظ دنیا کے کسی کونے میں بھی موجود نہیں اور قرآن بتائے گا کہ میرے حافظ دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔

قرآن پر عیسائیوں کے اعتراضات کا رد

ا۔ نسخ کی بحث

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں بھی اضداد موجود ہیں۔

جواب۔ قرآن کی جن آیات میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں وہ ناسخ و منسوخ ہیں۔ خود ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مَانَنۡسَخۡ مِنۡ آیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَا اَوۡ مِثۡلِهَا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی نئی بھیج دیتے ہیں (البقرہ:۱۰٦)۔

قرآن کی اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ناسخ و منسوخ کو نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ خود بائیبل بھی ناسخ و منسوخ سے لبریز ہے۔ مثلاً

ا۔ میرا عہد جو میرے اور تمہارے مابین اور تیرے بعد تیری نسل کے مابین ہے۔ جسے تم قائم رکھو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرد کا ختنہ کیا جائے (پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۰)۔ ختنے کے اس ابدی حکم کو پولوس کے خطوط نے منسوخ کر دیا (غلاطیوں ۵:۲)۔

اور آج عام عیسائی عقیدہ اور عمل بھی یہی ہے کہ وہ ختنے نہیں کراتے۔

ب۔ انجیل میں ہے کہ: پہلے حکم کی تو کمزور اور بے فائدہ ہونے کی وجہ سے تنسیخ ہوتی ہے (عبرانیوں: باب ۷ آیت ۱۸)۔

ج۔ میں نے اپنی لاٹھی فضل نامی لی اور اسے توڑ ڈالا۔ تا کہ اپنے اس عہد کو منسوخ کر دوں جو میں نے ان تمام امتوں سے باندھا تھا۔ اور وہ اسی دن منسوخ ہو گیا (زکریا باب ۱۱ آیت ۱۰،۱۱)۔ ان آیات سے واضح ہو گیا کہ خود بائیبل میں بھی نسخ کا سسٹم جاری و ساری ہے۔

سوال۔ یہاں عیسائی کہتے ہیں کہ تورات کے بعض احکام کو انجیل نے منسوخ کر دیا، مگر اب

انجیل کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ خود انجیل میں خدا کا فرمان موجود ہے کہ: آسمان وزمین ٹل جائیں گے مگر میری باتیں کبھی نہ ٹلیں گی (لوقا۲۱:۳۳)۔

جواب۔ بالکل ایسے ہی الفاظ تورات میں بھی موجود ہیں کہ: گھاس سوکھ جاتی ہے اور اسکا پھول گر جاتا ہے۔پر ہمارے خدا کا کلمہ ابد تک قائم رہے گا۔(اشعیا ۴۰:۸) اب بتایئے آپ نے خدا کے ابد تک قائم رہنے والے کلام کو انجیل سے کس طرح منسوخ کر دیا؟ لہٰذا قرآنی نسخ پر بحث کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر ضرور لے لیجیے۔

نوٹ۔ اسلامی تعلیمات میں نسخ کا واقع ہونا نہایت حکیمانہ عمل تھا۔نہایت مربوط (systematic) طریقے سے شروع میں آسان اور بعد میں مشکل احکام نازل ہوئے۔مثلاً پہلے شراب حلال تھی پھر حرام ہوئی۔پہلے جہاد فرض نہ تھا بعد میں فرض ہوا وغیرہ۔ہر صاحبِ علم ودانش احکامِ خداوندی میں تدارج کی اس خوبصورتی کو ضرور تسلیم کرے گا۔

۲۔ اختلافِ قرأت کی بحث

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن کی سات قرأتیں دراصل قرآن میں اختلافات ہیں۔

جواب۔ قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا۔اور وہ ساتوں قرأتیں آج بھی محفوظ ہیں۔ اور انکے معنی میں کوئی فرق نہیں۔قرأتوں سے مراد ادائیگیاں (pronounciations) ہیں۔یہ خامی نہیں بلکہ حسن ہے اور قارئین کے لیے سہولت کا باعث ہے۔اس فرق کا بائیبل کے نسخوں میں پایا جانا پادری برکت اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔(صحتِ کتبِ مقدسہ از پادری برکت اللہ صفحہ ۱۳۱) اور ظاہر ہے کہ اس سے اصل کلام کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن کے بعض مضامین بائیبل سے ماخوذ ہیں۔پھر بائیبل کے ہوتے ہوئے قرآن کی کیا ضرورت ہے؟

جواب۔ پہلے آپ یہ بتا دیجیے کہ تورات اور انجیل میں بہت سی باتیں مشترک ہیں پھر تورات کے ہوتے ہوئے انجیل کی کیا ضرورت تھی؟۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن بائیبل کے خلاف بیان کرتا ہے تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن بائیبل کے خلاف ہے، لہٰذا معتبر نہیں۔اور

اگر قرآن بائبل کے موافق ہو تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن نے بائبل سے اخذ کیا ہے۔ پہلے آپ خود فیصلہ کرلیں کہ آپ کس کروٹ بیٹھنا چاہتے ہیں؟۔ تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کا رویہ یہ ہے کہ وہ بائبل کی صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور غلط باتوں کی تردید کرتا ہے اور ایک نگران (مُھَیْمِنْ) کا کردار ادا کرتا ہے۔ مثلاً بائبل کہتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام قتل ہوئے اور پھانسی پر چڑھے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ: ماقتلوہ وماصلبوہ (النسآء:۱۵۷)۔ نہ اسے قتل کیا اور نہ پھانسی پر لٹکایا۔ بائبل کہتی ہے کہ مسیح آسمان پر اٹھائے گئے۔ قرآن کہتا ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء:۱۵۸) کہ واقعی اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن اپنے اصول پر چلتا ہے اور نہ تو بائبل میں سے مواد چوری کرتا ہے اور نہ ہی بائبل کی بے جا مخالفت کرتا ہے بلکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں انسانی کلام بے تحاشا موجود ہے۔ مثلاً مختلف انبیاء کے مکالمے اور کفار و فرعون وغیرہ کا کلام۔ لہٰذا یہ سب کا سب کلام الٰہی نہیں کہلا سکتا۔ پھر یہ کہ جو کلام بنیادی طور پر انسان کے منہ سے نکلا تھا اسے جب قرآن نے نقل کیا تو اس میں کون سی ایسی بجلی پیدا ہوگئی جس کی برکت سے اسے فصاحت کے میدان میں معجزے کے طور پر پیش کر دیا گیا؟

جواب۔ کوئی بھی متکلم جب اپنے کلام کے ضمن میں کسی دوسرے کا کلام نقل کرتا ہے تو یہ مجموعی طور پر اسی متکلم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ بالکل عقل مشترک (common sense) کی بات ہے۔ خود آپ کی بائبل اس قسم کی نقول سے بھری پڑی ہے۔ مگر آپ اسے اللہ کا کلام مانے بیٹھے ہیں۔

قرآن کی فصاحت پر اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی کتاب کو پڑھنے سے پہلے اتنی عقل ضرور ہونی چاہیے کہ اگر اس کتاب میں کہیں کسی دوسرے کے حوالے سے بات کی گئی ہو تو اس کی وجہ سے نفس کتاب کو متاثر نہ مان لیا جائے۔ کسی کے حوالے سے تو کفر کو نقل کر دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ حق اور باطل کا فیصلہ یا فصاحت اور عدمِ فصاحت کا فیصلہ تو پوری بات پڑھ لینے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

قرآن نے بھی اسی احتیاط کے پیش نظر اپنی مکمل باتوں کی فصاحت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ ادھوری باتوں کی۔ قرآن کے دعوائے فصاحت کی مکمل صورتحال اس طرح ہے۔

ا۔ اگر تمام جن اور انسان مل کر بھی قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے (لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ بنی اسرائیل:۸۸)۔

ب۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑا ہے؟ کہہ دو کہ اس جیسی دس سورتیں تم بھی گھڑ کر دکھاؤ (فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ہود:۱۳)۔

ج۔ کہہ دو کہ اگر تم لوگوں کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو پھر تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آ ؤ (فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ البقرۃ:۲۳)۔

د۔ اگر تم لوگ سچے ہو تو اس (قرآن) جیسی کوئی بات بنا کر لے آ ؤ (فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ طور:۳۴)۔

قرآن کے یہ چاروں اعلانات دوبارہ پڑھ لیجیے۔ قرآن نے پوری کتاب یا دس سورتیں یا ایک سورت یا کم از کم ایک مکمل بات بنا کر لے آنے اور قرآن کا مقابلہ کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن نے دعویٰ کس بات کا کیا تھا اور آپ نے اپنی دوربین کہاں فٹ کر دی ہے۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت ایک کاتبِ وحی نے کہا یا رسول اللہ اس سے آگے یوں لکھ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لکھ دو۔ سوال یہ ہے کہ زبانِ رسول کھلنے سے پہلے اس صحابی نے جو کچھ کہہ دیا وہ قرآن کیسے بن گیا؟ (تنویر الاذہان پادری اکبر مسیح)۔

جواب۔ وہ کاتبِ وحی نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے روحانی دائرے (spiritual flux) کے ندر موجود تھا جس کے اثرات سے وحی الٰہی ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ فرق صرف یہ ہوا کہ وہ اس نازل شدہ وحی کو بول دینے میں نبی کریم ﷺ سے پہل کر گیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے خچر کی پیٹھ پر سوار ہونے کی برکت سے خچر نے قبر میں عذاب ہوتا ہوا دیکھ لیا اور وہ بدک گیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں

اللہ سے دعا کرتا کہ جو کچھ اس خچر نے دیکھا ہے تمہیں بھی دکھا دے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اللہ کا کلام اسی کو کہتے ہیں جسے نبی کریم ﷺ نے اللہ کا کلام قرار دیا ہو۔ ہمارے پاس خدائی کلام اور انسانی کلام میں تمیز کرنے کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں۔ لہٰذا اب خواہ وہ کسی کے بھی منہ سے نکلی ہوئی بات ہو، جب نبی کریم ﷺ نے اسے وحی قرار دے دیا تو وہ یقیناً وحی ہے۔ جب سند نبی کریم ﷺ تک متصل ہوگئی تو وحی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی۔

حیرت ہے کہ آپ کی اپنی انجیلوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے مگر آپ اسے عین اللہ کا کلام سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ کلیسا کی ہر بات آپ کے لیے خدا کا کلام ہے۔ لیکن قرآن کی ہر آیت پر نبی کریم ﷺ کی اپنی مہر تصدیق موجود ہونے کے باوجود آپ اسے اللہ کا کلام ماننے کو تیار نہیں۔ آپ کے اس قسم کے غیر معقول اعتراضات نے آپ کی بے بسی کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔

سوال۔ عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاد کا حکم محض ظلم و بربریت ہے اور مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیت ایک انسان دوست مذہب ہے، جو انسانی حقوق کی مکمل پاسداری کرتا ہے۔

جواب۔ اسلامی جہاد کا ضابطہ یہ ہے کہ سب سے پہلے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ جسے اسلام کی دعوت ہی نہ دی گئی ہو اسکے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔ اس کے بعد اگر وہ اسلام کو قبول کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں جزیہ دے کر ماتحت ہو جانے کو کہا جائے۔ اگر وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر بھی ان کے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔ لیکن اگر وہ اس بات کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو اب ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی جائے۔

ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اللہ کے دین کے علاوہ تمام ادیان محض فتنہ اور فساد ہیں۔ اور فتنے کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور پاگل کتے کو مار دینا۔ تمام مسلم اور غیر مسلم اقوام نے اپنے اپنے ممالک میں فتنہ و فساد ختم کرنے کیلئے قتل، پھانسی اور قید کی سزاؤں کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔ یہی نظام اللہ کریم نے اپنی وسیع سلطنت میں وسیع پیمانے پر

نافذ کردیا ہے، جسکا نام جہاد ہے۔ اسلامی جہاد میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارنا اسی لیے منع ہے کہ یہ فتنہ نہیں پھیلا سکتے۔ لیکن اگر عورت کفار کی حکمران ہوتو اسے مارنا جائز ہے، اسلیے کہ اب وہ فتنہ پھیلا رہی ہے۔

ثانیاً اسلامی جہاد سے مکمل طور پر ملتا جلتا حکم آج بھی بائیبل میں موجود ہے۔ بائیبل کی کتاب استثناء باب نمبر ۲۰ میں احکام جنگ کی سرخی قائم کی گئی ہے اور پھر اسکے تحت لکھا ہے:

لشکر کے سردار اپنے لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کریں۔ اور جب تو جنگ کرنے کے لیے کسی شہر کے نزدیک جائے تو پہلے اس سے صلح کی خواہش کر۔ اگر وہ صلح منظور کریں اور پھاٹک تیرے لیے کھول دیں تو جتنے لوگ جو اس میں رہتے ہیں وہ سب تیرے باجگزار ہوں گے اور تیری خدمت کریں گے۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں۔ بلکہ تجھ سے جنگ شروع کر دیں۔ تب تو اس کا محاصرہ کر۔ اور خداوند تیرا خدا اس کو تیرے ہاتھ میں دے گا۔ اور تو سب مردوں کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتیں اور بچے اور چوپائے اور اس شہر کی سب لوٹ کو اپنے لیے لے۔ اور اپنے دشمن کی تمام غنیمت کو کھا جا، جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے۔ اور اسی طرح تو ان سب شہروں سے کر جو تجھ سے بہت دور ہیں (استثناء ۲۰:۹ تا ۱۵)۔

تورات کا یہ طویل اقتباس ذرا غور سے پڑھ لیجیے۔ اور اسکے بعد اسکا موازنہ حضرت خالد بن ولید ﷛ کے اس خط کے ساتھ کیجیے جسے انہوں نے لشکر فارس کے سردار کیطرف لکھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مِنۡ خَالِدِ ابۡنِ الۡوَلِيۡدِ اِلٰی رُسۡتَمَ وَمِهۡرَانَ فِیۡ مَلَاٗ فَارِسٍ

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی اَمَّابَعۡدُ

ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم انکار کرو گے تو پھر جزیہ ادا کرو اور ہمارے ماتحت ہو کر رہنا قبول کرلو۔ اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسی قوم ہے جنہیں اللہ کی راہ میں مرنا اتنا محبوب ہے، جتنی اہل فارس کو شراب محبوب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴۲)۔

ثالثاً آج تک پوری دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی عیسائیوں نے کی ہے۔ دور کی باتیں چھوڑیے صرف پہلی جنگِ عظیم میں تقریباً اڑھائی کروڑ انسان مارے گئے۔ دو کروڑ فوجی زخمی ہوئے۔ ایک کروڑ نے پناہ حاصل کی اور تیس لاکھ فوجی لاپتہ ہو گئے جنہیں بالآخر مقتول ہی سمجھ لیا گیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں ساڑھے تین کروڑ انسان قتل ہوئے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی میں لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم کے ذریعے اڑا کر رکھ دیا گیا۔ امریکہ اور ویت نام کی جنگ میں دس لاکھ انسان مارے گئے۔ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہنے والی امریکی خانہ جنگی میں تقریباً ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔ چند سال قبل امریکہ نے عراق پر مجموعی طور پر دوسری جنگِ عظیم سے بھی زیادہ بارود پھینکا۔

لہٰذا محض زبان سے انسان دوستی کا دم بھرنا بغل میں چھری منہ میں رام رام کے سواء کچھ نہیں۔

کچھ عرصہ پہلے جب امریکہ کی حکومت نے تمام امریکیوں کو پوری دنیا میں محتاط رہنے کا حکم دیا تو امریکی عوام سخت پریشانی (Tension) سے دوچار ہو گئے۔ ہمارے ایک دوست نے کسی امریکن سے اس وبال کا سبب پوچھا تو اس نے کہا

The muslims are reacting against America because America is poking her nose in every muslim country.

کہ مسلمان امریکہ کے خلاف ردِعمل پر اتر آئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ ہر مسلمان ملک میں بے جا مداخلت کر رہا ہے۔

ایک نہایت تحقیقی بات یہ ہے کہ جہاد شریعت کا محض ایک حکم ہے۔ اللہ کریم نے مختلف شریعتوں میں مختلف احکام نازل فرمائے ہیں۔ پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد کا حکم موجود تھا جس کا تذکرہ بائیبل میں جابجا موجود ہے۔ بائیبل کا ایک مکمل حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

موجودہ بائبل میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں

۱۔ تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کی شان میں اتنی بڑی گستاخیاں لکھی ہیں کہ اصل الفاظ نقل کرنے کی کم از کم مجھ میں ہمت نہیں۔ جس کا جی چاہے پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸ کا خود مطالعہ کرلے۔ اگر شرم کے مارے آپ کا سر نہ جھک جائے تو کہنا۔

۲۔ اسی تورات میں ہے کہ: نوح کھیتی کرنے لگا اور اس نے انگور کا باغ لگایا اور اس کی مے پی کر نشے میں آیا۔ اور اپنے ڈیرے کے اندر برہنہ ہوگیا (پیدائش باب ۹ آیت ۲۰،۲۱)۔

۳۔ اسی تورات میں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے شراب پی (پیدائش باب ۲۷ آیت ۲۵)۔

نوٹ۔ واضح رہے کہ تورات اور انجیل کی روشنی میں شراب حرام ہے (احبار باب ۱۰ آیت ۸، لوقا باب ۱ آیت ۱۵)۔

۴۔ اسی تورات میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے خود بچھڑا بنا کر یہودیوں کو کفر وشرک کا سامان فراہم کیا (دیکھو خروج ۳۲:۲)۔

۵۔ اسی تورات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے حق میں سخت نازیبا الفاظ درج ہیں۔ ہم نقل تک نہیں کرنا چاہتے۔ جس کا دل چاہے پیدائش ۳۵:۲۲ کا خود مطالعہ کرلے۔

3۔ برنباس کی انجیل

اصل انجیل کیا تھی اور وہ کہاں گئی؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اور اس موضوع پر کافی حد تک گفتگو ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ موجودہ تسلیم شدہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مکمل تعلیمات اور ان کے تمام حالاتِ زندگی درج نہیں کیے گئے۔ پادری صاحبان نے متفقہ طور پر عہدِ جدید کے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ:

''انجیل نویسوں نے ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی اپنی کتاب تصنیف

کی۔ اسلیے انہوں نے خداوند یسوع مسیح کی زندگی کے صرف ان واقعات کو چن لیا جو اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے زیادہ موزوں تھے۔ یعنی انکا ارادہ ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ خداوند یسوع مسیح کی مکمل زندگی بیان کریں" (دیباچہ اناجیل اربعہ عہدِ جدید بمطابق نسخہ سوسائٹی آف سینٹ پال روما ۱۹۵۸)۔

مقدس یوحنا لکھتے ہیں: "مگر اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے اور اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں سمانہ سکتیں" (یوحنا کی انجیل ۲۱:۲۵)۔

ادھر ہم بائیبل کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کلیسا (پادریوں کی پنچائت) نے زمانہ در زمانہ چھانٹ پھٹک کے بعد بے شمار اناجیل میں سے صرف چار اناجیل پر اتفاق کرتے ہوئے انہیں الہامی تسلیم کیا اور باقی خدا جانے کس کس کی لکھی ہوئی انجیل کو کن کن وجوہات کی بنا پر مسترد کر دیا۔

بالآخر سولھویں صدی میں پروٹیسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا۔ جو آج تقریباً آدھی عیسائی دنیا پر مشتمل ہے۔ اس فرقے نے اپنے بزرگوں کے فیصلے مسترد کر دیے اور بائیبل کے کافی حصوں کا انکار کر دیا۔

بائیبل کا مطالعہ کرنے سے بھی بے شمار کتابوں کا سراغ ملتا ہے جن کے نام خود موجودہ بائیبل میں موجود ہیں مگر وہ کتابیں دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ مثلاً کتاب جنگ نامہ کا ذکر گنتی ۲۱:۱۴ میں ہے، کتاب عہد نامہ کا ذکر خروج ۲۴:۷ میں ہے، صداقت کی کتاب کا ذکر یوشع ۱۰:۱۳ میں ہے، ناتان نبی کی کتاب کا ذکر اخبار دوئم ۳۵:۲۵ میں ہے اور مسیح کی انجیل کا ذکر فلپیون ۱:۲۷ میں ہے۔

ان حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک عظیم شاگرد برنباس کی لکھی ہوئی انجیل کے قدیم نسخہ کا کہیں سے دستیاب ہو جانا کوئی ناقابلِ یقین بات نہیں۔ خصوصاً جب کہ یہ نسخہ دستیاب بھی کسی مستند پادری (پوپ اسٹکس پنجم) کی ذاتی لائبریری سے ہوا ہو۔ لطف کی بات یہ ہے کہ برنباس نامی ایک شاگرد کا تذکرہ موجوہ بائیبل میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود

بھی ہے۔ اوراس سے بھی زیادہ لطف اندوز بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں برنباس کی انجیل کا ذکر بھی موجود ہے۔

۳۲۵ عیسوی تک اسکندریہ کے چرچوں میں انجیل برنباس کو معتبر انجیل کے طور پر مقبولیت حاصل رہی۔ اوراس انجیل پر ہمارے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ۷۵ سال پہلے پوپ جیلاشیس (gelasius) کے زمانے میں پابندی لگ چکی تھی۔

پوپ اسٹکس (sixtus) کا ایک دوست فرامارینو (fra marino) نامی راہب تھا۔ اس نے آرینوس (۱۳۰ تا ۲۰۰ عیسوی) کے خطوط میں پولوس کی تلبیس وتحریف اوراس پر برنباس کی طرف سے کی گئی گرفت کا مطالعہ کررکھا تھا۔ ایک دن اچانک پوپ کی ذاتی لائبریری میں اطالوی زبان میں لکھی ہوئی برنباس کی انجیل فرامارینو کے ہاتھ لگ گئی، جسے وہ بغل میں دبا کر ساتھ لے آیا۔ اس کے بعد یہ کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ایمسٹرڈم (amsterdarm) کے کتب خانے میں پہنچ گئی۔ ۱۷۰۹ء میں یہی نسخہ اسی کتب خانے میں سے شاہ پروشیا کے ایک مشیر جے ای کریمر (JE Cramer) کو ملا جسے اس نے ایک عجیب چیز سمجھ کر شہزادہ آیوجین سافوی (prince eugene of savoy) کو تحفے کے طور پر پیش کردیا۔ اس کے بعد وہ نسخہ آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کی سرکاری لائبریری میں رکھوادیا گیا اوراب تک وہیں موجود ہے۔

اس وقت میرے ہاتھ میں اسی ویانا کی لائبریری والے اطالوی (Italian) نسخے کا انگریزی ترجمہ موجود ہے جو ۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ سے چھپا تھا اور پاکستان میں بیگم عائشہ باوانی وقف نے اسے پبلش کیا۔

برنباس کا تذکرہ بائبل میں

مقدس برنباس کا ذکر موجودہ بائبل میں رسولوں کے اعمال، کرنتھیون، گلتیون اور کلسیون میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ آپ اتنے مخلص اور متقی تھے کہ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیا اوراپنا کھیت بیچ ڈالا۔ آپکا اصل نام یوسف تھا۔ مگر

حضرت مسیح علیہ السلام کے دوسرے شاگرد آپ کے تقوے اور توکل کی وجہ سے آپ کو برنباس کہتے تھے۔ بائبل کے مترجمین نے لکھا ہے کہ برنباس کا معنی ہے ''تسلی کا بیٹا''۔ چنانچہ بائبل کے اندر رسولوں کے اعمال میں برنباس کا ذکر ان الفاظ سے موجود ہے۔

''اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس (تسلی کا بیٹا) اور جس کی پیدائش قبرس کی تھی وہ ایک کھیت کا مالک تھا۔ اس نے اس کو بیچا اور اس کا دام لا کر رسولوں کے پاؤں پر رکھا (رسولوں کے اعمال ۴:۳۶)۔

آپ پولوس کے ساتھ مختلف علاقوں میں تبلیغ پر گئے۔ برنباس اور پولوس کے اکٹھے تبلیغی دوروں کا ذکر رسولوں کے اعمال میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن پولوس نے جب مسیحی تعلیمات کے خلاف حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور تثلیث کا عقیدہ گھڑا تو برنباس اور پولوس میں لڑائی ہوگئی۔ ان دو عظیم ساتھیوں کی یکا یک جدائی کا ذکر بائبل میں اس طرح موجود ہے۔

پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے (رسولوں کے اعمال ۱۵:۳۹) انگریزی ترجموں میں (strong disagreement) کے الفاظ ہیں۔

یہ ناراضگی آخر دم تک رہی اور پھر ساری زندگی پولوس اور برنباس کے درمیان کبھی صلح نہ ہوسکی۔ جس کا جی چاہے رسولوں کے اعمال پوری پڑھ کر دیکھ لے۔

اس دوستی کے پھٹ جانے کے بعد بائبل میں برنباس کے بارے میں جتنے بیانات موجود ہیں وہ سب کے سب پولوس اور اس کے ہم نواؤں کے ہیں اور محض یک طرفہ کاروائی ہے۔ برنباس کا اپنا کوئی بیان لکھنے کی جرأت نہیں کی گئی جس کی روشنی میں دو طرفہ صورتِ حال پر صحیح روشنی پڑ سکے۔ آج بھی اگر کوئی شخص برنباس کا اپنا بیان فراہم کر سکتا ہے تو بے شک کرے۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ لیکن اگر برنباس کا اپنا بیان مسیحی کتابوں میں سے چن چن کر نکال دیا گیا ہو تو پھر ہم دستیاب ہونے والی اس انجیل برنباس میں سے مقدس برنباس کا بیان نقل کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ انصاف شرط ہے۔

برنباس فرماتے ہیں

عزیزانِ گرامی: اللہ عظیم وعجیب نے گزشتہ دنوں میں اپنے پیغمبر یسوع مسیح کے ہاتھوں عظیم رحیمانہ تعلیم اور معجزات کے ذریعے ہم سے رابطہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو ان معجزات کی وجہ سے شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور وہ دین کے نام سے کفر کی تبلیغ کرنے لگ گئے ہیں۔ وہ یسوع کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں اور ختنہ کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے اس کا ابدی حکم دیا تھا اور وہ حرام گوشت کو حلال کیے جا رہے ہیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ پولوس بھی دھوکہ کھا گیا ہے۔ جس کے بارے میں مَیں کلمہ افسوس کے سواء کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان حقائق کو ضبطِ تحریر لا رہا ہوں جنہیں میں نے یسوع کے ساتھ رہ رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا تاکہ تم لوگ گمراہی سے محفوظ رہو اور شیطان کے دھوکے سے بچ جاؤ اور اللہ کی عدالت میں تباہ نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا ہر اس شخص کی تعلیم سے بچ کے رہو جو تمہیں ایسا نیا عقیدہ سکھائے جو میری تحریر کے خلاف ہو تاکہ تم ابدی نجات پاؤ (انجیل برنباس صفحہ۲)۔

انجیل برنباس نہ صرف مسیحی برادری کے لیے ایک خدائی انعام ہے بلکہ قادیانی گروپ کے لیے بھی زبردست لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ کتاب حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے والوں کو بھی راہِ مستقیم فراہم کرتی ہے اور عین اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی کی اذیت دینے کے بعد ان کی قبر کو آثارِ قدیمہ کی روشنی میں تلاش کرنے والوں کو بھی قابل اعتماد مواد فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ انجیل برنباس مندرجہ ذیل اہم عقائد میں باقی انجیلوں سے مختلف ہے۔

۱۔ اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے خدا کا بیٹا ہونے کا صاف انکار کیا ہے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کے نبی قرار دیا ہے (حالانکہ دوسری کتابیں انہیں بادشاہ کہتی ہیں)۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیح بیٹے کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام بتایا ہے (جبکہ دوسری کتابوں میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ہے)۔

۴۔ کتاب کے باب نمبر ۲۲۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے والا واقعہ لکھا ہوا ہے۔ یہودا اسکر یوتی نے یہودیوں سے رشوت لی اور سپاہیوں کے ہمراہ حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے آیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ نے چار فرشتوں کے ذریعے آسمان پر اٹھالیا اور یہودا اسکر یوتی کی شکل اور آواز بالکل حضرت مسیح جیسی ہوگئی۔ یہودیوں نے اسی یہودا کو صلیب پر چڑھا دیا (حالانکہ دوسری کتابوں میں خود حضرت مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا مذکور ہے۔ اور قادیانی بھی عیسائیوں کیطرح انکے صلیب پر چڑھنے کے قائل ہیں)۔

قرآن بھی انجیل برنباس کی تائید کرتا ہے۔ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** یعنی اسے نہ تو یہودیوں نے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے کسی اور پر شباہت ڈال دی گئی (النسآء:۱۵۷)۔

برنباس کا یہ بیان عیسائیت، قادیانیت اور اسلام کیلئے ایک بہترین فیصلہ ہے۔ یہ ایسا نکتۂ اشتراک ہے جو بے شمار بھولے بھٹکے اور حق کے متلاشی لوگوں کیلئے ہدایت کا سامان ہے۔

جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھنے کا عقیدہ غلط ثابت نہیں ہو جاتا صلیب کی پوجا ہوتی رہے گی اور کسرِ صلیب ناممکن رہے گا۔ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب کو چھونے سے ہی عیسائیوں کے نزدیک صلیب مقدس ٹھہری۔ قرآن اور برنباس نے صلیب کو توڑ ڈالا۔ اور اس اعلان کی برکت سے عیسائیت کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ایوان میں بھی زلزلہ برپا ہوگیا۔

برنباس میں بشارات

انجیل برنباس میں ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں بے شمار بشارات موجود ہیں۔ چند بشارات ملاحظہ فرمائیں۔

☆۔۱ اے محمد خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور کاش وہ مجھے یہ توفیق دے کہ تمہارے جوتے کا تسمہ کھول سکوں۔ یہ کرم ہو جائے تو پھر تو میں ایک عظیم پیغمبر اور خدا کا برگزیدہ شخص ہوں گا (برنباس باب ۴۴)۔

☆۔۲ سفید بادل اس کے سر پر سایہ کرے گا۔ وہ مشرکین کے خلاف بڑی طاقت لے کر آئے گا اور بت پرستی کا قلع قمع کر دے گا (برنباس باب ۷۲)۔

☆۔۳ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ اللہ نے میری درخواست قبول کر لی ہے کہ میں اسے مل سکوں (برنباس باب ۹۷)۔

☆۔۴ محمد اس کا عطائی نام ہے (برنباس باب ۹۷)۔

☆۔۵ مجھ پر یقین کرو، کہ جس کے بارے میں وعدہ کیا گیا ہے وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا نہ کہ بنی اسحاق میں سے (برنباس باب ۴۳)۔

شبہات کا ازالہ

انجیل برنباس پر عیسائیوں کی طرف سے وارد کیے جانے والے اہم شبہات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا شبہ:۔ یہ انجیل باقی اناجیل سے بہت مختلف ہے۔

جواب:۔ واقعی بہت مختلف ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ دیگر انجیلیں بھی تو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ ہر مصنف کا انداز دوسرے سے مختلف ہے۔ یوحنا کا انداز اور اسکے بیانات باقی تین اناجیل سے خصوصاً مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے تین اناجیل کو اناجیل موافق کہا جاتا ہے اور یوحنا کو ناموافق سمجھا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولوس اور برنباس کا جھگڑا بائیبل میں درج ہے۔ ایسی صورت حال میں برنباس کا بیان پولوس کے ہم خیالوں سے مختلف ہونا ہی چاہیے تھا۔ سچ جھوٹ سے بہت مختلف ہوتا ہے اور کڑوا بھی ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ:۔ اس انجیل میں صاف لفظ محمد موجود ہے۔ جبکہ پیش گوئیاں صاف نام لے کر نہیں کی جاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے۔

جواب:۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو وہ محمد کا صاف لفظ لکھ کر اپنی کتاب کو مشکوک ہرگز نہ بناتا۔ ایسے ذہین شخص کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اگر میں بار بار محمد کا لفظ لکھوں گا تو دنیائے عیسائیت

میری تحریر کو شک کی نگاہ سے دیکھے گی۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی مکاری نہیں بلکہ کسی بے دھڑک شخص کی تحریر ہے۔

اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ پیش گوئیاں نام لے کر نہیں کی جاتیں تو جواباً عرض ہے کہ یہ قانون آپ نے کہاں سے لیا ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں زبور کے نغمہ نمبر ۲ کے دوسرے مصرعے میں صاف مسیح کا لفظ آج بھی موجود ہے اور یوحنا باب اول آیت نمبر ۲۰۔۲۱ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے پہلے حضرت یحیٰی علیہ السلام سے سوال پوچھے گئے تو انہوں نے صاف نام لے کر فرمایا کہ میں المسیح نہیں ہوں۔

پھر دوبارہ نام لے کر سوال ہوا کہ کیا تو الیاس ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں (یوحنا باب اول آیت ۲۰۔۲۱)۔

یہاں انجیل میں صاف المسیح اور الیاس کے نام لیے گئے ہیں حالانکہ لوگ ابھی تک ان کے دنیا میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

تیسرا شبہ:۔ برنباس کی انجیل کسی معتبر یا مستند طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی۔

جواب:۔ لطف کی بات یہی تو ہے کہ اس انجیل کے علاوہ دیگر تمام اناجیل بھی اسی طرح کے آثارِ قدیمہ کی پیداوار ہیں۔آپ ان تمام انجیلوں کی ہسٹری پڑھ کر دیکھیں۔کسی انجیل کی سند حضرت مسیح علیہ السلام تک بلکہ ان کے شاگرد تک بھی متصل نہیں۔نہ اس زمانے میں آج کی طرح کاغذ تھا، نہ وسائل اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگرد تعداد میں اتنے زیادہ تھے اور نہ پیروکار۔اصل انجیل کہاں گئی اور موجودہ انجیلیں کہاں سے آئیں؟ اس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص قسم کھا کر فیصلہ نہیں دے سکتا۔احتیاط شرط ہے۔ہم اس مسئلے پر اس سے پہلے موجودہ بائیبل کی سرخی کے تحت تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

4۔عقائد

عقیدۂ تثلیث اوراس کا رد

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس ایک خدا کے تین اقانیم ہیں۔باپ، بیٹااورروح القدس۔باپ سے مرادخدائے لاشریک ہے۔اللہ نے اپنی صفت کلام کواپنی قدرت کاملہ کے ذریعے مجسم کردیااوروہ مجسم صفتِ کلام مذہبی زبان میں خدا کا بیٹا کہلائی۔جس قوت کے ذریعے خدا اپنے بیٹے سے رابطہ رکھتا ہے وہ روح القدس کہلائی۔وہ قوت، رحم اور شفقت ہے۔اس حقیقت کا نام توحید فی التثلیث ہے۔ یعنی تثلیث میں توحید۔یا تثلیث فی التوحید ہے یعنی توحید میں تثلیث۔

اس پکھنڈ بازی کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ہرصفت لامحدود ہے۔اوراسکی کوئی صفت کسی محدود جسم میں نہیں ڈھل سکتی ورنہ لامحدود کا محدود ہوجانالازم آئے گا۔لہٰذا صفتِ کلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مجسم ہونا عقلاً ناممکن ہوا۔پادری لال دین نے اپنی کتاب حقیقت المسیح میں اسے عقلاً ممکن کہا ہے۔اور پھراس ممکن کے وقوع پرنص وارد کرکے اپنی دانست میں تجسیم ثابت کر دی ہے۔لیکن ہم نے ثابت کیا ہے کہ صفتِ خداوندی کا تجسم عقلاً ممکن ہی نہیں۔اور پھر جسے پادری صاحب نص کہہ رہے ہیں اسے ہم محرف سمجھتے ہیں۔جیسا کہ ثابت کیا جاچکا ہے۔یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خدا کی صفت کو مجسم کرنے کے لیے حضرت مریم کے شکم کے انتخاب کی کیا مجبوری تھی اور پھر وہ صفت مجسم کرکے باقاعدہ انسان کے تخلیقی مراحل میں سے کیوں گزارنا پڑی اور پیدائش سے لے کر جوانی تک اس میں بڑھوتری کیوں ہوتی رہی؟ کسی چیز کا نشوونما پانا اور تغیر پذیر ہونا اس کے حادث ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔جب کہ اللہ کی صفات حادث نہیں بلکہ قدیم ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو انسانی عوارض کا لاحق رہنا بھی ان کی الوہیت کے منافی ہے۔مثلاً پیدا ہونا، کھانا پینا اور پرورش پانا، پھر عیسائیوں کے بقول سولی چڑھنا اور وفات پانا۔

حتیٰ کہ سولی پر چڑھتے وقت ایلی ایلی لما شبقتانی (اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ متی ۲۷:۴۶، مرقس ۱۵:۳۴) بار بار فریاد کرنا اور خداوند باپ کا ان کی مدد نہ کرنا۔ یہ سب باتیں ان کی الوہیت اور ابنیت کے سامنے مضحکہ خیز ہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ معلوم ہوا کہ مسیح بھی غیر مخلوق ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ باپ کے بغیر محض اللہ کے کلام کی برکت سے (حضرت جبریل علیہ السلام کے دم کرنے سے) پیدا ہوئے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بارش کے برسنے کو بادل کا برسنا کہہ دیا جاتا ہے یا دھوپ کو انگریزی میں Sun یعنی سورج کہہ دیتے ہیں۔ نیز قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہ لقب خدا ثابت کرنے کے لیے نہیں دیا بلکہ یہود کی طرف سے حضرت مریم کی عزت پر لگائے گئے الزام کو توڑنے کے لیے دیا ہے۔ پھر یہ کہ تورات، زبور اور انجیل سب کی سب اللہ کا کلام تھیں۔ کیا آپ ان سب کتابوں کو بھی اللہ کی بیٹیاں یا بیٹے مان لیں گے؟۔ قرآن شریف میں ہے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے تب بھی سمندر ختم ہو جائے مگر اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں (الکہف:۱۰۹)۔ اب بتایئے کہ اتنے لامحدود کلمات کے ہوتے ہوئے ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنانے کی کیا تخصیص رہ گئی؟

پادری فانڈر نے قرآن کی ۱۱۴ آیات سے تثلیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اللّٰہ ، رحمٰن اور رحیم تین خداؤں کا ذکر ہے۔ نیز یہ کہ خدا نے قرآن میں خود کو نَحْنُ (یعنی ہم) کہا ہے اور یہ لفظ جمع کے لیے آتا ہے۔

ان باتوں کا جواب بچے بھی دے سکتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم سب ایک ہی خدا کی مختلف صفات ہیں۔ یوں تو پھر ایک اور آیت میں اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ تمام صفات یکجا بیان ہوئی ہیں۔ تثلیث تو کجا یہاں سے آٹھ خدا ثابت ہو جائیں گے۔ اور نَحْنُ کا لفظ احتراماً استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

نیز یہ تمام آیات تثلیث کے موضوع پر وارد ہی نہیں ہوئیں بلکہ پادری صاحب نے

زبردستی کھینچا تانی فرمائی ہے۔ پادری صاحب کا یہ استدلال مرزا قادیانی کے استدلال کی طرح ہے۔ مرزا قادیانی نے تیس قرآنی آیات سے وفاتِ مسیح ثابت کر ماری ہے، حالانکہ ان تمام آیات کا وفاتِ مسیح سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ کا بیٹا

عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا سے مراد اللہ کی مجسم صفتِ کلام ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ جسے محبت کی وجہ سے بیٹا کہا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بائبل میں خدا اور بیٹا کا لفظ ہر کس و ناکس کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً زبور میں ہے کہ:

میں نے کہا تم خدا ہو تم سب خدا تعالیٰ کے فرزند ہو (زبور ۸۱ آیت ۶)۔

لوقا میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں لکھا ہے: انوش بن شیث بن آدم بن خدا (لوقا ۳:۳۸)۔ اس آیت میں آدم کو خدا کا بیٹا کہہ دیا گیا ہے۔

رومیوں میں لکھا ہے کہ: اس لیے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے فرزند ہیں (رومیوں ۸:۱۴)۔

نوٹ۔ پرانے ترجموں میں فرزند کی جگہ بیٹے کا لفظ ہے اور آجکل پادری حضرات نے احتیاطاً فرزند کا لفظ لگادیا ہے۔ مگر اہلِ دانش خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ فضول ہیرا پھیری ہے۔ مذکورہ آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوگیا کہ بائبل اپنے خاص محاورے اور اصطلاح میں ہر فرماں بردار کو خدا کا بیٹا کہتی ہے اور اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسکے برعکس بائبل سرکشوں اور باغیوں کو شیطان کا بیٹا کہتی ہے۔ چنانچہ درج ذیل آیت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے:

جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا۔ اس لیے اس کا بیج اس میں رہتا ہے۔ اور وہ گناہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے خدا کے فرزندوں اور شیطان کے فرزندوں میں امتیاز ہوتا ہے (یوحنا کے خطوط ۳:۹،۱۰)۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں بیٹے کی اصطلاح کو سمجھنے میں عیسائیوں کو سخت دھوکا لگا ہے۔

کفّارہ

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ تمام انسانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر کے اس گناہ کا کفارہ دلوا دیا اور انسانیت کو نجات دی۔ اگر گناہ آدم تمام انسانوں پر اثر انداز ہوسکتا ہے تو کفارۂ مسیح بھی تمام انسانوں کو نجات دلا سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی بات قابلِ تفتیش ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو گناہ کہہ بھی سکتے ہیں کہ نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ ان کی اولاد پر ڈال دینا ظلم ہے اور تمام انسانیت کے گناہ کی سزا ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو دینا دوسرا ظلم ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی انسانیت سولی پر چڑھی تھی تو عیسائی عقیدہ میں تو انسان خود پیدائشی گناہگار ہے۔ جبکہ کفارے کے لیے کسی معصوم کی ضرورت تھی۔ اور اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی سولی پر چڑھی تھی تو یہ کفارہ انسانوں کے ہم جنس کی طرف سے نہ ہوا۔ چوتھا جواب یہ کہ ہمیشہ چھوٹی چیز کو، بڑی چیز کے بدلے میں کفارے کے طور پر قربان کیا جاتا ہے۔ کفارۂ مسیح سے لازم آئے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام آدم اور اولادِ آدم سے کمتر ہوں۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ جب گناہِ آدم بلا امتیاز ہر انسان میں سرایت کر گیا تھا، تو پھر کفارۂ مسیح بھی بلا امتیاز ہر انسان کی طرف سے ادا ہو جانا چاہیے تھا۔ یہاں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے اور بپتسمہ لینے کی شرط فضول ہے اور گناہ اور کفارے کے درمیان برابری میں مانع ہے۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ کفارے جیسا اہم عقیدہ خود انجیل میں تفصیل سے موجود ہونا چاہیے تھا۔ اس عقیدے کا انجیل میں موجود نہ ہونا اسکے من گھڑت ہونے کا لاجواب ثبوت ہے۔

نوٹ:۔ انجیل میں جہاں کہیں نجات کا لفظ استعمال ہوا ہے عیسائیوں نے اس سے مراد کفارہ کے ذریعے نجات لے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کفارے کے مشہور عقیدے سے اپنا ذہن خالی کر کے محض نجات کا لفظ پڑھے گا وہ اس سے کفارے کی کہانی ہرگز اخذ نہیں کرے گا۔ البتہ تمام

حواریوں میں سے صرف پولوس رسول نے اپنے خطوط میں کفارے کا ذکر کیا ہے (رومیوں کے نام خطوط باب ۵، ۶) اور ظاہر ہے کہ یہ پولوس کے ذاتی خطوط ہیں نہ کہ بذاتِ خود انجیل۔ ہمارے نزدیک اور برناباس کے نزدیک پولوس ہی مسیحی عقائد کے بگاڑنے کا ذمہ دار ہے۔

پادری حضرات اسلام کے مسئلہ شفاعت سے بھی اپنے کفارے پر دلیل پکڑتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شفاعت ایک درخواست ہے جسے قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ جب کہ کفارہ سیدھے لفظوں میں بھینٹ چڑھنے کا نام ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مصلوبیت

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کی موت واقع ہوگئی۔ یہ پورا واقعہ انجیل میں درج ہے۔ دوسری طرف یہودی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے دعویدار ہیں۔

یہاں قادیانی بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہم نوا ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکایا گیا مگر ہوا یہ کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی، بلکہ وہ مردے کی طرح ہوگئے۔ بعد میں جب ہوش میں آئے تو چپکے سے کشمیر کی طرف بھاگ آئے۔ یہاں سری نگر میں ان کی وفات ہوئی اور وہ سری نگر کے محلّہ خان یار میں دفن ہیں۔ قادیانیوں نے یہ سارا ڈھکوسلا عیسائیوں کی کتب اور آثارِ قدیمہ سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:
وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء: ۱۵۷) کہ یہود نے عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی پھانسی دیا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں قرآن نے قتل اور پھانسی دونوں کی نفی کی ہے۔ قتل کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری ہوتا ہے جب کہ پھانسی کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔ آج کل کے ہوشیار وکیلوں نے جب پھانسی (hang) کے لفظ میں پائی جانے والی اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجرموں کو تختۂ دار سے زندہ نیچے اتروانا شروع کر دیا تو قانون دانوں کو مجبوراً صرف پھانسی کی بجائے موت تک پھانسی (hang till

death) کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پھانسی میں موت کا مفہوم شامل نہ تھا۔ اسی وجہ سے قرآن نے بھی قتل کا لفظ الگ اور پھانسی کا لفظ الگ استعمال کیا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ سولی کے قریب گئے ہیں۔ یہاں سے صلیب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے قریب بھی نہیں گئے تو تم کس غلط فہمی میں صلیب کی پوجا کرتے ہو؟ اسی عقیدہِ مصلوبیت نے صلیب پرستی کو بنیاد فراہم کی تھی اور قادیانیوں نے صلیب توڑنے کی بجائے صلیب پرستی میں عیسائیوں کا ہاتھ بٹایا۔

صلیبِ مقدس

عیسائیوں اور قادیانیوں کے بقول جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس صلیب کو منحوس سمجھا جاتا، مگر عیسائیوں نے اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانیت کے گناہ کا کفارہ ادا ہوا تھا لہٰذا یہ متبرک اور مقدس ہے۔ لیکن یہ بات بہر حال طے شدہ ہے کہ بائیبل میں صلیب کو مقدس سمجھنے کا کوئی حکم موجود نہیں۔

حیاتِ ثانیہ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وفات کے تیسرے دن مسیح جی اٹھا اور حواریوں سے ضروری گفتگو کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔

قرآن کہتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ غلط فہمی میں کسی اور کو عیسیٰ سمجھ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعہِ صلیب سے پہلے آسمان پر اٹھالیا گیا

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء:۱۵۷،۱۵۸) کہ یقیناً اسے قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔

یہی بات برنباس کی انجیل میں بھی درج ہے (برنباس کی انجیل باب ۲۲۱)۔

5۔عبادات

بپتسمہ (Beptisation)

کسی غیرعیسائی کو دائرہ عیسائیت میں داخل کرنے کو بپتسمہ دینا کہتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے بنائے گئے ایک خصوصی کمرے میں لے جا کر سب سے پہلے اس آدمی سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک تیل کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے غسل دیا جاتا ہے۔ پھر اس سے باپ بیٹا اور روح القدس پر ایمان لانے کا اقرار کرایا جاتا ہے۔ پھر اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم شدہ تیل دوبارہ لگا دیا جاتا ہے۔اب گناہوں سے پاک ہو جانے کی علامت کے طور پر اسے سفید لباس پہنا دیا جاتا ہے۔

حمدخوانی

چرچ میں جا کر عبادت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی تمام حاضرین کے سامنے زبور کے نغمے پڑھتا ہے اور ہر نغمے کے آخر میں تمام حاضرین گھٹنے جھکا کر اور ہاتھ پھیلا کر ننگے سر دعا کرتے ہیں۔یسوع مسیح کی حمد خوانی میں ساز بھی استعمال ہوتا ہے۔

عشائے ربانی یا پاک شراکت (Lords supper)

حمد خوانی کے بعد حاضرین ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔اس کے بعد چرچ کے پادری صاحب ایک خصوصی برتن میں رکھی ہوئی روٹی اور شراب کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں اور حاضرین کو باری باری شراب سے تر کیا ہوا روٹی کا ٹکڑا اپنے ہاتھ سے کھلاتے ہیں۔ اسے پاک شراکت یا عشائے ربانی کہا جاتا ہے۔

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے گرفتاری سے ایک دن پہلے اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا۔ جب وہ کھانا کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دی اور توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا۔لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر

شکر کیا اور انہیں دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ نئے عہد کا یہ میرا خون ہے جو بہتیروں کی خاطر گناہوں کی معافی کے لیے بہایا جاتا ہے(متی ۲۶:۲۶)۔

لوقا نے بھی تقریباً یہی واقعہ بیان کیا ہے مگر ساتھ یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ میری یاد گاری کے واسطے یہی کیا کرو(لوقا۲۲:۱۹)۔

عشائے ربانی کی صورت میں گویا حضرت مسیح علیہ السلام کی وہی یاد منائی جاتی ہے۔ان کا گوشت کھایا اور خون پیا جاتا ہے۔

اس رسم کا غیر معقول ہونا ازخود واضح ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ نے اس رسم کا مکمل انکار تو نہیں کیا البتہ شراب کو حضرت مسیح کا خون سمجھنا اور روٹی کو ان کا گوشت سمجھنا انہیں تسلیم نہیں۔

عیسائیوں کے فرقے

تثلیث کی حقیقت کو سلجھاتے سلجھاتے اور اس معمے کو حل کرتے کرتے عیسائیت بے شمار فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔جن میں سے چند فرقے مندرجہ ذیل ہیں۔

پولوسی فرقہ

یہ فرقہ پانچویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرشتہ مانتے ہیں۔ جو مریم کے بطن سے پیدا ہوا اور خدا کے عطا کردہ مخصوص جلال کی وجہ سے اس کا بیٹا کہلایا۔ یہ فرقہ ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقے میں مقبول ہوا۔لیکن اپنے حق میں کسی نقلی دلیل کا حامل نہ ہونے کی وجہ سے پھیل نہ سکا۔

نسطوری فرقہ

یہ فرقہ بھی پانچویں صدی میں کھڑا ہوا تھا۔اس کا بانی نسطوریوس تھا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ مسیح کی دو شخصیتیں ہیں۔ایک خدائی اور دوسری انسانیت۔ یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں(ابن اللہ اور ابن آدم)اسے بدعتی فرقہ کہا جاتا ہے اور یہ اب تک موجود ہے۔

یعقوبی فرقہ

اس فرقے کا بانی یعقوب برذعانی ہے۔ یہ شخص چھٹی صدی میں گزرا ہے۔ یہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت بھی ایک تھی اور حقیقت بھی ایک تھی اور وہ تھی خدائی۔ وہ دیکھنے میں انسان اور حقیقت میں خدا تھے۔

کیتھولک فرقہ

اس فرقے کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک شخصیت کی دو حقیقتیں ہیں۔ خدا کا بیٹا اور انسان۔ بائبل میں جہاں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کا ذکر ہے وہاں وہاں اس سے مراد خدائی کی حقیقت ہے اور جہاں جہاں انسانی عوارض مثلاً کھانے پینے اور موت وغیرہ کا تذکرہ ہے وہاں وہاں انسانی حقیقت مراد ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اس فرقہ نے آگ اور پانی کو اکٹھا مان لیا ہے۔

پروٹیسٹنٹ فرقہ

۱۶ صدی عیسوی میں ہینری ہشتم کے دور میں مارٹن لوتھر نے پوپ کی آمریت غلط رسوم اور پادریوں پر فضول پابندیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس سے قبل پوپ صاحبان اپنے سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لیے اپنی کرسی سے فائدہ اٹھانے لگ گئے تھے جسے چاہتے مغفرت کا پروانہ عطا کر دیتے تھے۔ اس نفس پرستی میں الجھ کر پوپ بھی دو منتخب ہونے لگ تھے۔ ایک فرانس، سپین اور نے پلس کے علاقے میں، جسے ایوی نن کہا جاتا تھا اور دوسرا اٹلی انگلینڈ اور جرمنی کے علاقے میں جسے رومن پوپ کہا جاتا تھا۔ اس انتشار کو نفاقِ عظیم کا نام دیا گیا۔ مارٹن لوتھر نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کو چیلنج کر دیا اور بہت سی مروجہ رسومات کو بدعت قرار دے دیا۔ یہ بات سوئزرلینڈ، جنیوا، اٹلی، فرانس، جرمنی بلکہ پورے یورپ میں ہر طرف اٹھنے لگی۔ حتیٰ کہ برطانیہ کے بادشاہ ہینری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس سے متاثر ہو گئے اور یہ فرقہ رومن کیتھولک کا مدِ مقابل بن گیا۔ اس فرقہ نے بائبل کے کچھ حصوں کا بھی انکار کر دیا ہے۔

ان پانچ فرقوں کے علاوہ بھی انکے بے شمار فرقے ہیں جن کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔تثلیث کا مسئلہ اس قدر الجھا ہوا ہے کہ بعض پادریوں نے پریشان ہوکر حقیقتِ مسیح کو قرآنی متشابہات کی طرح قرار دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔لیکن اہل علم ودانش خوب سمجھتے ہیں کہ قرآنی متشابہات اورعیسائی تثلیث کے گورکھ دھندے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔اس لیے کہ اسلامی عقائدوعبادات کا دارومدار محکمات پر ہے نہ کہ متشابہات پر۔اسکے برعکس تثلیث عیسائیوں کا سب سے بنیادی عقیدہ ہےاور عقائد کی بنیاد متشابہات پرنہیں رکھی جاسکتی۔

6۔بشارات

تورات میں بشارات

پہلی بشارت:۔ تب خدانے ابراہیم سے کہا......اسماعیل کےحق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔اسے نہایت بڑھاؤں گا اوراس سے بارہ سردار پیدا ہوں گےاور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا(پیدائش۱۷:۲۰)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمارے نبی کریمﷺ پیدا ہوں گے چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اس دعا کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں موجود ہے۔**وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ** (البقرۃ:۱۲۹)۔کہ اے ہمارے رب ان میں ایک شان والا رسول بھیج جوان ہی میں سے ہو۔ان پرتیری آیات پڑھےانہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دےاورانہیں پاک کرے۔

دوسری بشارت:۔ میں انکے بھائیوں کےدرمیان سے تیری طرح ایک نبی برپا کردوں گااور اپنا کلام اسکےمنہ میں ڈالوں گا۔اور جوکچھ میں اسکوحکم دوں گا ان سے کہے گا۔اور جوانسان میرے کلام کوجووہ میرےنام سے کہےگانہ مانے گاتو میں اسکاحساب اس سےلوں گا(استثناء۱۸:۱۸،۱۹)۔

یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جوتورات میں موجود ہے۔حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور یہودی بنی اسرائیل میں سے تھے۔یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد۔ان کے بھائیوں میں نبی برپا ہونے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔انجیل برنباس میں صاف لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے(برنباس:۴۳)۔

تیسری بشارت:۔یہ وہ برکت ہے جسے مردِ خدا موسیٰ نے اپنی وفات سے پیشتر بنی اسرائیل کو دعا دی۔اس نے کہا خداوند سینا سے آیا۔اور سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا۔اور دس ہزار قدسیوں میں آیا۔اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتشِ شریعت پھوٹ نکلی۔اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا(استثناء۳۳:۱،۲)۔

ان آیتوں میں خداوند سینا سے آیا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نازل ہونا ہے۔سعیر سے طلوع ہونے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر وحی کا نزول ہے۔کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ پر وحی کا نزول ہے۔فاران اس پہاڑ کا نام ہے جو مکہ شریف کے پاس واقع ہے غارِ حرا اسی پہاڑ میں موجود ہے۔دس ہزار قدسیوں میں فتح مکہ کے اس منظر کی طرف اشارہ ہے جب دس ہزار صحابہ کرام علیہم الرضوان کا لشکر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔شعلہ زن آتش سے مراد شریعت ہے اور اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا سے مراد جنگ اور جہاد کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کرنا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔لہٰذا تورات کی یہ پیش گوئی صاف ہمارے نبی کریم ﷺ پر صادق آ رہی ہے۔اس سے ملتی جلتی آیت قرآن میں اس طرح موجود ہے۔

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ (التین:۱تا۳)۔کہ مجھے قسم ہے انجیر اور زیتون کی(وہ جنگل جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے عبادت کی)اور مجھے قسم ہے طورِ سینا کی(یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلہ گاہ تھی)اور مجھے قسم ہے اس امین شہر(مکہ)کی۔

زبور میں بشارات

زبور نمبر ۴۴ کے الفاظ یہ ہیں عشقیہ غزل...... میرا دِل ایک نفیس مضمون سے لبریز ہے۔ میں بادشاہ کے لئے اپنی غزل سناتا ہوں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ تیرے لبوں میں لطافت انڈیلی ہوئی ہے۔ اس لیے خدا نے ہمیشہ کے لیے تجھے مبارک ٹھہرایا ہے۔ اے جلیل القدر تو اپنی تلوار کو یعنی اپنے جلال و جمال کو اپنی ران سے باندھ۔ حقیقت اور صداقت کی خاطر اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا دستِ راست تجھے عجیب کام دکھائے۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں۔ بادشاہ کے دشمن ہمت ہارتے ہیں۔ اے خدا تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت رکھتا ہے۔ اس لیے تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں کی نسبت زیادہ مسح کیا۔ تیرے لباس مر اور عود اور تج سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ عاج کے ایوانوں سے تاردار سازوں کی آواز تجھے خوشی دلاتی ہے۔ شاہوں کی بیٹیاں تیرا استقبال کرتی ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے مزین کھڑی ہے۔ اے بیٹی سن غور کر کے کان لگا اپنی قوم اور اپنے باپ کا گھر بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ وہی تیرا خداوند ہے۔ تو اس کی مطیع ہو اور صور کے باشندے ہدیہ لے کر آتے ہیں قوم کے دولت مند تیرے کرم کے خواہاں ہیں۔ شہزادی سرتاپا حسن افروز داخل ہوتی ہے۔ اس کا لباس زربفت کا ہے۔ وہ منقش لباس سے بادشاہ کے حضور لائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے اس کی کنواری خواصیں تیرے سامنے حاضر کی جاتی ہیں۔ وہ خوشی اور شادمانی سے پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ تیرے بیٹے تیرے آباء کے جانشیں ہوں گے۔ تو ان کو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کی یاد پشت در پشت قائم رکھوں گا۔ اس لیے امتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی (زبور نغمہ:۴۴)۔

زبور کی اس طویل غزل پر ذرا غور کیجیے۔ یہ دراصل نبی کریم ﷺ کی نعت ہے جسے بائیبل کے مترجم نے غزل کہہ دیا ہے۔

تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ یہ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ کا ترجمہ ہے۔ تلوار کو ران سے باندھنا۔ یہ جہاد بالسیف کی صراحت ہے۔ قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں یہ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً کا ترجمہ ہے۔ دشمن ہمت ہارتے ہیں۔ یہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا ترجمہ ہے۔ تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے یہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن کا ترجمہ ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ یہ مدینہ شریف میں سلطنت کی بنیاد رکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت کرتا ہے یہ صادق اور امین کا ترجمہ ہے۔ خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ یہ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْماً کا ترجمہ ہے۔ لباس سے تج مراور عود کی خوشبو کا آنا۔ اس سے نبی کریم ﷺ کے لباس اور پسینہ کی خوشبو مراد ہے جو مسلمانوں میں مشہورِ عام ہے (ملاحظہ ہو مشکوۃ صفحہ ۵۱۷)۔ شہزادی کے شاہی محل میں داخل ہونے سے سیدہ شہر بانو کی طرف اشارہ ہے جو شاہِ ایران کی بیٹی تھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں دیا تھا۔ تیرے بیٹے آباء کے جانشین ہوں گے۔ تو ان کو روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی آل کے افراد کا دنیا کے مختلف ممالک میں حکمران بننا ہے جس پر پوری تاریخ گواہ ہے۔ تیرے نام کی تعریف پشت در پشت قائم رکھوں گا۔ اس میں اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی طرف اشارہ ہے۔ امتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی۔ اس میں آپ ﷺ کے ذاتی نام محمد کا ترجمہ صاف موجود ہے اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح ہے اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا اعلان ہے۔

زبور کی اس غزل کا مفہوم ہم نے ضروری توضیحات کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی نعت میں منتقل کر دیا ہے: ملاحظہ فرمائیے۔

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

ہر اِک حسیں سے بڑھ کر حسن و جمال تیرا — ہر اک نبی نے مانا فضل و کمال تیرا

تیری کمر سے لٹکی تیغِ بہادری ہے — رحمت بھرا ہے پیارے طیش و جلال تیرا

حق کے لیے نکل کر تیرا سوار ہونا
لایا عجب کرشمے دستِ کمال تیرا

ہرقل، نجاشی منذِر زیرِ نگین تیرے
اے تیز تیروں والے دبنا محال تیرا

حق آ گیا ہے باطل جڑ سے اُکھاڑ ڈالا
لہرا رہا ہے جھنڈا اب لازوال تیرا

صدق وصفا کے داعی اعلیٰ خصال والے
باتیں تیری مُعطر عنبری خیال تیرا

تج، مُر سے بھی زیادہ مہکے لباس تیرا
خوشبو پسینہ دیتا ہے بے مثال تیرا

شاہزادیاں ہیں تیرے شاہی محل کی رونق
شاہِ ایراں کی بیٹی اہل وعیال تیرا

تیرے کرم کو ترسیں جاہ وجلال والے
شاہ وگدا پہ شاہا عطیہ بحال تیرا

یمن وحجاز وہند میں سلطان تیرے بیٹے
آخرزماں میں مہدی بھی فردِ آل تیرا

تجھ پر درود ہوں گے ہوں گے سلام دائم
آذاں پڑھے گا تیری ہر اک بلال تیرا

نعتِ نبی یہ ساری نغمہ زبور کا ہے
اے قاسمی نگہباں وہ ذوالجلال تیرا

انجیل میں بشارات

پہلی بشارت:۔ میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابدالآباد تک تمہارے ساتھ رہے گا (یوحنا ۱۴:۱۴)۔

اس آیت میں وکیل سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔۱۸۹۰ء کے ترجے اور دوسرے قدیم ترجموں میں وکیل کی جگہ فارقلیط کا لفظ موجود ہے۔آج کل کے ترجموں میں وکیل، شفیع اور مددگار کے الفاظ موجود ہیں۔

فارقلیط ایک نام ہے اور نام کا ترجمہ کرنا بالکل بے تکی بات ہے جس سے مترجم کی نیت کی خرابی کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ پھر فاقلیط کا ترجمہ کہیں وکیل، کہیں شفیع اور کہیں مددگار کرنا بھی تعجب انگیز ہے۔آج ہماری آنکھوں کے سامنے انجیل کے ترجموں کا جو حشر ہو رہا ہے اس سے دو ہزار سالہ مشق کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ فارقلیط یونانی زبان کا لفظ ہے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی اپنی زبان سریانی تھی۔ جوقوم ناموں کے بھی ترجمے کر دیا کرتی ہے، خدا جانے اس نے کون سے نام کا ترجمہ فارقلیط کر دیا ہوگا۔ آج اناجیل کے نہ تو اصل نسخے ہی کہیں دستیاب ہیں اور نہ ہی ان کی اصل سریانی زبان دنیا میں کہیں بولی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ فارقلیط کی جگہ اصل سریانی زبان کا لفظ تلاش کر کے ہمیں دکھایا جائے۔ اور اگر آپ نہ دکھا سکیں تو پھر ہمیں مجبوراً تاریخی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ یونانی زبان میں ایک لفظ فرقلیطس بھی موجود ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور یہ صاف لفظِ محمد کا ترجمہ ہے۔ یہاں سے مسیحی گڑ بڑ کا سراغ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت کی مشہور کتاب میں یوحنا کی انجیل کے باب ۱۵ اور ۱۶ کی آیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارقلیط کی جگہ سریانی زبان کا لفظ مُنحَمَنًّا استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد ابن ہشام نے اس لفظ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ منحمنا کا معنی عربی زبان میں محمد اور یونانی زبان میں فرقلیطس ہے (ابن ہشام ۱: ۲۳۳)۔ واضح رہے کہ ابن ہشام کے زمانے میں فلسطین کے علاقے میں سریانی زبان بولی جاتی تھی۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یقیناً سریانی زبان کا لفظ فرقلیطس استعمال فرمایا ہوگا۔ ورنہ ابن ہشام کے زمانے میں ہی فلسطین کے عیسائیوں کی طرف سے ابن ہشام کی تردید ضرور ہو جاتی۔

مذکورہ بالا بشارت میں ''ابد الآباد تک ساتھ رہے گا'' کے الفاظ میں نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کی صراحت موجود ہے۔

دوسری بشارت :۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ وہ میری بزرگی بیان کرے گا (یوحنا ۱۶: ۱۳، ۱۴)۔

ان آیتوں میں وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا یہ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰىۙ** کا صاف ترجمہ ہے۔ آئندہ کی خبر دینے سے نبی

کریم ﷺ کا غیب کی خبریں دینا مراد ہے۔آپ ﷺ نے بے دریغ غیب کی خبریں دی ہیں جن سے قرآن وحدیث لبریز ہیں۔قرآن شریف میں ہے۔

ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ (آلِ عمران:۴۴) کہ اے نبی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (التکویر:۲۴) کہ یہ نبی غیب بتانے میں بخل نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہو گئے اور ہمیں دنیا کے آغاز سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔جس نے ان باتوں کو یاد رکھا سو یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا (بخاری جلدا صفحہ ۴۵۳)۔

انجیل کا اگلا جملہ یہ ہے کہ وہ میری بزرگی بیان کرے گا۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا پر یہودیوں نے جو الزامات لگائے تھے ان الزامات کا صحیح جواب نبی کریم ﷺ دیں گے۔چنانچہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی صفائی میں طویل بیانات موجود ہیں۔ایک پوری سورت قرآن شریف میں مریم کے نام سے موجود ہے۔یہود کے جن الزامات کا جواب عیسائی کبھی نہ دے سکے۔قرآن نے پہلی بار وہ تمام الزامات دھوڈالے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی ثابت کر دی۔

تیسری بشارت:۔ یوحنا اصطباغی نے کہا آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے (متی ۲:۳)۔ اس آیت میں آسمانی بادشاہی سے مراد نبی کریم ﷺ کی عالمگیر نبوت ہے۔مگر عیسائی کہتے ہیں کہ یہ پیشگوئی حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) نے مسیح کے حق میں کی تھی۔ہم کہتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ پیشگوئی فرمائی ہے۔انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔

اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ

گئی ہے(متی ۴:۱۷)۔

یہ منادی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نہیں کی بلکہ اس میں صاف یسوع کا لفظ موجود ہے۔ بتائیے یسوع کس کے حق میں منادی کر رہے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آج تک ہمارے نبی کریم ﷺ کے سواء کوئی نبی نہیں آیا جس کے حق میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی یہ منادی تسلیم کی جاسکے اور آسمان کی مذکورہ بادشاہی منسوب کی جاسکے۔

چوتھی بشارت :۔ یوحنا کی شہادت یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی اس کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو المسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو النبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں (یوحنا ۱۹ تا ۲۱)۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم عصر اور حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سوال ہوئے ہیں۔

۱۔ کیا تو مسیح ہے؟ ۲۔ کیا تو الیاس ہے؟ ۳۔ کیا تو النبی ہے؟

ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو مسیح کے علاوہ بھی کسی کا انتظار تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا۔

مسیح اور الیاس کی شخصیات تو کسی نہ کسی طرح معلوم و متعین ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ النبی سے کون مراد ہے؟ باقی اردو تراجم میں النبی کی جگہ "وہ نبی" کا لفظ ہے۔ انگریزی ترجمہ میں The Prophet کا لفظ موجود ہے۔ نام لیے بغیر اسے النبی اور وہ نبی کہنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں ہر کوئی جانتا تھا کہ "النبی یا وہ نبی" سے مراد کیا ہے؟ اور ہر کوئی النبی کے لیے چشم براہ تھا۔ مسیح کے زمانے میں مسیح کے آجانے اور اعلانِ نبوت کر دینے کے بعد کسی کا

انتظار؟ کیا معنی؟

ادھر قرآن کو پڑھیے۔ دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے قرآن میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود ہیں مگر النبی کا لفظ صرف نبی کریم حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وغیرہ۔ لہٰذا انجیل میں النبی یا وہ نبی سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔

پانچویں بشارت:۔ اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو اٹھے اور بیج اگے اور بڑھے اور وہ جانے بھی نہ کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ زمین خود بخود پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی پھر بال پھر پورے دانے۔ اور جب پھل پک جاتا ہے تو فوراً درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا (مرقس ۴: ۲۶ تا ۲۹)۔

انجیل کی ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے دین کی بنیاد رکھنے سے لے کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر التعداد جماعت کے مرتبہ کمال کو پہنچ کر دنیا کے کونے کونے کو فیضیاب کرنے کا بیان ہے۔ اس بات کو کھیت اور فصل کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔

ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی صحابہ کرام کی یہی مثال تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ مثال ایک کھیتی کی سی ہے جس نے باریک کونپل نکالی پھر اسے قوت دی اور وہ موٹی ہوگئی۔ پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تا کہ ان کی وجہ سے کفار کے دل جل جائیں (الفتح: ۲۹)۔

اب آپ انجیل کی ان آیات کو بھی بار بار پڑھیے اور قرآن کی اس آیت کو بھی بار بار دیکھیے۔ نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں کی تعداد کا شروع شروع میں کم ہونا اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتے جانا حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عظیم الشان

اجتماع جس سے واقعی کفار کے دل دہل جائیں، یہ سب کچھ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

مختلف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں سے کسی نے زندگی بھر صرف ایک شخص کو مسلمان کیا، کسی نے دو کو کسی نے بارہ کو اور کسی نے اَسّی کو لیکن یہ صرف اور صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے کہ فوج در فوج افراد کو راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا اور لاکھوں قدسیوں کو اپنی نگاہِ کرم سے فیضیاب کر دیا۔

خالق اپنی مخلوق سے کاریگر اپنی صنعت سے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر تعداد اور ان کا زہد و تقوی اور اخلاص ہمارے نبی کریم ﷺ کی کامیابی اور افضلیت کا کھلا ثبوت ہے۔

ہم دنیائے عیسائیت کو چیلنج دیتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے صرف چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی مثال پوری دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دکھا دیں۔ ہم نے تو صرف چار قدسیوں کا ذکر کیا ہے جب کہ بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ دس ہزار قدسیوں میں آیا (استثناء ۳۳:۲)۔

بلکہ بائیبل کے بعض نسخوں میں لاکھوں قدسی لکھے ہوئے ہیں، بعض میں دس ہزار، بعض میں دس لاکھ کا عدد لکھا ہے۔ انگریزی بائیبل کے حاشیہ میں یہ جھگڑا اس طرح ختم کیا گیا ہے کہ:

Probable taxt Ten thousand hebrew unclear.

(Good News Bible page197)

یعنی غالباً اصل لفظ "دس ہزار" ہی ہے۔ لیکن عبرانی کا اصل نسخہ (یا اس کا مفہوم) واضح نہیں۔

ادھر قرآن میں ہے کہ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً یعنی تو نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں (النصر:۲)۔ یہ اعزاز نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن اپنی امت کی اکثریت پر فخر کروں گا (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۷)۔

عیسائیت پر اسلام کے احسانات

عیسائیت پر اسلام کا پہلا احسان یہ ہے کہ اسلام نے اصل انجیل کی تصدیق کر کے عیسائیت کی بنیاد کو صداقت پر مبنی ثابت کر دیا اور بعد میں شامل ہونے والے ناخالص اجزاء کو جدا کر کے دکھا دیا۔

دوسرا احسان یہ ہے کہ انجیل میں حضور کریم ﷺ کے بارے میں کی گئی پیش گوئیوں کو درست ثابت کر دیا۔ گویا جس ہستی کا انتظار تھا وہ آ پہنچی اور انجیل کی باتیں سچ ثابت ہو گئیں۔

تیسرا احسان یہ ہے کہ پوری انجیل میں یہودیوں کی طرف سے حضرت مریم پر لگائے گئے الزامات کا کوئی جواب اور رد موجود نہیں تھا۔ اسلام نے پہلی بار حضرت مریم کی پاکیزگی بیان کر کے انہیں اور ان کے بیٹے کو بری قرار دیا۔ حضرت مریم کی شان میں پوری سورت مریم نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا پورا پس منظر بیان کر کے ان کی جلالتِ شان اور رفعتِ مقام کو بحال کر دیا۔

چوتھا احسان یہ ہے کہ اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے پاکیزہ خطابات سے یاد کیا۔

پانچواں احسان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ بیان کر کے یہود کو شرمندہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو دوبالا کر دیا۔ حتیٰ کہ صلیب سے بچ کر ان کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قربِ قیامت میں واپس تشریف لانے کی تصریح کر دی۔

چھٹا احسان یہ ہے کہ خود عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہایت بے ادبی سے اور روکھے انداز سے لیتے تھے۔ بلکہ آج بھی وہ انہیں محض یسوع یا مسیح یا یسوع مسیح کہتے ہیں۔ اسلام نے انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے باادب الفاظ سے یاد کرنے کا سبق سکھایا۔

یاد رکھیے کہ ہم اہل اسلام حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا سچا اور برگزیدہ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اور ان کی بے ادبی کو کفر سمجھتے ہیں۔ البتہ افراط و تفریط ہمارا شیوہ نہیں۔

ہم نہ تو عیسائیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں، نہ ہی یہودیوں کی طرح انہیں ناجائز اولاد سمجھتے ہیں اور نہ ہی مرزا قادیانی کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہوئے انہیں شرابی اور گناہگار سمجھتے ہیں، جیسا کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب کشتی نوح صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے کہ عیسی علیہ السلام شراب پیتے تھے اور ازالہ اوہام صفحہ ۱۲۸ پر لکھا ہے کہ ان کے معجزات محض مسمیرزم تھا۔ یہ باتیں اگر بائیبل یا عیسائی لٹریچر میں موجود ہوں تو ہم ایسے لٹریچر کو غلط اور محرف سمجھیں گے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر برائی کا الزام تسلیم نہیں کریں گے۔

معلوم ہوا کہ مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار نہیں بلکہ یہ محض ایک ارتقائی قدم ہے۔ اب بھی اگر حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی سچا پیروکار یسوع مسیح کی عزت و ناموس کی خاطر عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل نہیں ہوتا تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆